© rasailojaraid.com



حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

# واقعۂ کربلا اور اس کا پس منظر......کا افتتاحیہ

مفکر اسلام حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ (۱۹۰۵ء۔۱۹۹۷ء) سنبھل (مراد آباد، یو پی) میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم وہیں حاصل کی۔دارالعلوم دیو بند کے فاضلِ اجل اور محدثِ کبیر حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری نوّر اللہ مرقدہٗ کے تلمیذ رشید تھے۔خود انہی کے بقول، انہیں اپنے اساتذہ میں سب سے زیادہ محبت حضرت انور شاہ صاحب سے تھی۔اسی محبت سے بے قرار ہو کر تعلیم سے فراغت کے بعد حضرت شاہ صاحب سے بیعت کی درخواست کی تو انہوں نے بیعت کر لیا اور کچھ اذکار و اوراد تعلیم فرمائے۔حضرت مفتی کفایت اللہ اور حضرت مولانا اعزاز علی رحمہم اللہ کی تجویز پر دارالعلوم دیو بند کی مجلس شوریٰ کے رکن بنے۔دوسری بیعت مُرشد العلماء حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ سے کی۔حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ بھی حضرت رائے پوری سے بیعت تھے۔مولانا نعمانیؒ اور علی میاںؒ دونوں حضرت رائے پوری کے مقربین خاص اور خلفا تھے۔علماء کی اِس جوڑی نے پوری دنیا میں اسلام اور علماءِ اسلام کا نام روشن کیا دعوت و تبلیغ اور تصنیف و تالیف کے میدان میں لازوال خدمات انجام دیں۔اس علمی و فکری جوڑی کا عرصۂ رفاقت پچاس برس پر محیط ہے، جس پر علی میاں کو ناز تھا۔انہوں نے مولانا نعمانی کے انتقال پر اپنے تعزیتی خطاب میں فرمایا تھا:

”میں نے سب سے پہلے مولانا نعمانی کو مولانا عبدالشکور لکھنوی کے دارالمبلغین میں دیکھا۔دو حقیقی بھائیوں میں بھی اتنی قریبی رفاقت، یکجائی، ہم نشینی، ہم سفری اور اتحادِ فکر و عمل نہیں ہوتا جو ہم دونوں میں تھا۔مولانا محمد منظور نعمانی راسخین فی العلم میں سے تھے۔“ (الفرقان، مولانا نعمانی نمبر)

مولانا نعمانی، ندوۃ العلماء لکھنؤ کی مجلسِ شوریٰ کے رکن رہے نیز مجلس تحقیقات و نشریات اسلام (ندوہ) کے بنیادی رکن بھی تھے۔برس ہا برس ندوہ میں حدیث شریف پڑھائی اور ندوہ ہی کی جامع مسجد میں ہمیشہ عیدین کے خطبات ارشاد فرمائے۔حتیٰ کہ ۴؍مئی ۱۹۹۷ء کو مولانی کی نمازِ جنازہ، عالمِ ربانی حضرت مولانا قاری صدیق احمد باندوی نے ندوہ ہی میں پڑھائی۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت مولانا محمد الیاس (بانی تبلیغی جماعت) کی رفاقت، حکیم الامّت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی صحبت، جمعیت علماء ہند میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی معیت اور مولانا عبد الشکور لکھنوی کی ہم فکری و ہم نشینی حاصل رہی۔دارالعلوم میں ان کا تعلیمی ریکارڈ آج بھی محفوظ ہے۔مولانا مرغوب الرحمٰن



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



نے اپنے تعزیتی مضمون میں لکھا کہ دارالعلوم کے ریکارڈ کے مطابق، حضرت نعمانی نے بخاری، ابوداؤد، ترمذی اور مؤطا امام محمد کے امتحان میں ۵۱ نمبر حاصل کیے۔ ابتدا میں شرک وبدعات کے خلاف زبردست علمی کام کر کے علماء دیوبند کی ترجمانی کا حق ادا کیا۔ بدعات کے خلاف ان کے مناظروں اور معرکہ آرائیوں کی جھلک ''بوارق الغیب'' اور دیگر کتب میں دیکھی جا سکتی ہے۔ پھر دعوت وتبلیغ کا رنگ غالب آ گیا جو دمِ آخر تک باقی رہا۔ ''معارف الحدیث'' اُن کی لازوال تالیف ہے جس سے علماء، طلباء اور عوام سبھی استفادہ کر رہے ہیں۔ مولانا کی دیگر مشہور تصانیف یہ ہیں: اسلام کیا ہے؟، دین وشریعت، قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟ تذکرہ مجدد الف ثانیؒ، ملفوظات مولانا محمد الیاسؒ، تصوف کیا ہے؟، نماز کی حقیقت، آپ حج کیسے کریں؟، قادیانی کیوں مسلمان نہیں؟ قادیانیت پر غور کرنے کا سیدھا راستہ، کفر واسلام کے حدود اور قادیانیت، ایرانی انقلاب، امام خمینی اور شیعیت، اثنا عشری کے متعلق علماء کا متفقہ فیصلہ۔ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ ایک پُر جوش مبلغ وداعی، عظیم مفسر ومحدث، کامیاب مناظر، حق گو واعظ وخطیب، انصاف پسند مصنف ومؤلف، حق پرست محقق، علماء دیوبند کے فکر ومسلک کے محافظ وحقیقی ترجمان تھے۔

مولانا کے فرزند وجانشین مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی نے ''واقعۂ کربلا اور اس کا پس منظر'' کے عنوان سے ایک کتاب حضرت مولانا نعمانی کے حکم پر تحریر کی۔ جو ۱۹۹۲ء میں شائع ہوئی اس کا پیش لفظ ''افتتاحیہ'' کے عنوان سے مولانا نعمانی نے خود تحریر فرمایا۔ یہ گراں قدر مضمون ریکارڈ درست رکھنے اور قندِ مکرر کے طور پر قارئین کی نذر کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

# افتتاحیہ

اس عاجز (محمد منظور نعمانی) کا وطن سنبھل (مرادآباد یوپی) ہے۔ ۱۳۲۳ھ (۱۹۰۵ء) سنِ پیدائش ہے۔ سنبھل مسلمانوں کی غالب اکثریت بستی ہے اور یہ سب سُنّی حنفی ہیں۔ صرف ایک محلے میں جو شہر کے کسی کنارے پر ہے اور جسے میں نے آج تک دیکھا بھی نہیں ہے شعیہ صاحبان کی بھی کچھ آبادی ہے۔ یوں تو ہندوستان میں کم وبیش سبھی جگہ سنّیوں کے اندر بھی تعزیہ داری کا رواج سرایت کیے ہوئے ہے۔ لیکن میرا خیال ہے......اور دوسرے لوگوں نے بھی اس کی تصدیق کی ہے...... کہ سنبھل کے سُنّیوں میں جس شان سے عزاداری منائی جاتی ہے اس شان کی عزاداری شاید ہی کہیں اور ہوتی ہو۔

## بچپن کی باتیں:

مجھے ۶۔۷ سال کی عمر سے پورا شعور ہو گیا تھا اور اُن چند برسوں کو چھوڑ کر جو تعلیم کے سلسلے میں باہر گزرے تقریباً تیس سال کی عمر تک زیادہ تر قیام وطن ہی میں رہا۔ ہمارا محلّہ خالص سُنّی مسلمانوں کا محلّہ ہے۔ اس کے اندر ۲۰۔۲۵ گھروں میں تعزیے رکھے جاتے تھے، جن پر محرم کی پہلی سے دسویں تک برابر چڑھاوے چڑھائے جاتے تھے۔ جن گھروں میں



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



بچے کم زندہ رہتے تھے ان گھروں میں امام حسین رضی اللہ عنہ کا فقیر بنایا جاتا تھا اور ہرے کپڑے پہنائے جاتے تھے، ہمارا ننھیال اس معاملے میں بہت آگے تھا۔ ایک قریبی رشتے کے ماموں فقّرو کے نام سے مشہور تھے۔ میں بڑا ہو کر بھی ایک مدت تک یہ سمجھتا رہا کہ ان کا نام اصل میں فخر الدین یا فخر الحسن ہوگا اور فقّرو کہا جانے لگا، بعد میں معلوم ہوا کہ اصل نام تو انوار حسین ہے لیکن بچپن میں امام حسین رضی اللہ عنہ کے فقیر بنا دیے گئے تھے اسی سے فقّرو کہے جاتے ہیں۔

### سنبھل کے ڈھول:

سنبھل کی تعزیہ داری کی دو خصوصیتیں شاید اپنا جواب نہ رکھتی ہوں گی۔ ایک تعزیوں کی اونچائی (بعض تو تقریباً چالیس فٹ اونچے ہوتے تھے) اور دوسرے ڈھولوں کا سائز۔ بعض ڈھول تو اتنے بڑے ہوتے تھے کہ ان کے لیے گائے یا بھینس کی بہت بڑی کھال تلاش کرنی پڑتی تھی۔ ان میں سے بعض کے اندر سے آدمی کھڑا نکل آتا تھا اور بچے تو تقریباً سبھی ڈھولوں کے اندر سے اسی طرح نکل جاتے تھے۔ ہمارے خاص محلے میں کئی ایسے ڈھول تھے مگر ایک ڈھول جو چوک کا ڈھول کہلاتا تھا، وہ ان میں سب سے بڑا تھا اور چونکہ ہمارے نانا کا مکان چوک میں واقع تھا اس لیے اس کو ہم اپنا ڈھول سمجھتے تھے اور اس پر فخر کیا کرتے تھے۔

### عشرۂ محرم کے معمولات:

محرم کا مہینہ آیا اور ہر ذی استطاعت گھر میں لازم ہو گیا کہ پہلی سے دسویں تک روزانہ کوئی میٹھی چیز پکے۔ عموماً میٹھے چاول یا حلوہ یا مالیدہ۔ اور مغرب کی نماز سے کچھ قبل یا بعد میں گھر کا کوئی آدمی گھر کے دروازے پر وہ میٹھا پکوان لے کر کھڑا ہوتا اور بچوں میں تقسیم کرتا۔ روز مرّہ کے اس دس روزہ عمل سے چند ہی گھر محلے میں مستثنٰی ہوں گے، انہیں میں سے ایک ہمارا گھر بھی تھا۔ ہمارے گھر جو کچھ ہوتا تھا اس کا ذکر آگے آئے گا۔

محلے کا ایک گھرانہ رافضیوں کا گھرانہ کہلاتا تھا۔ اگرچہ تھے وہ سُنّی۔ ان کے یہاں امام باڑہ تھا جس میں ایک کاٹھ کا تعزیہ رہتا تھا۔ ان کے یہاں ان دس دنوں میں رات کو مجلس ہوتی تھی، اختتام مجلس پر حاضرین کو قیمہ رکھی ہوئی ایک (یا دو) تندوری روٹی بطور تبرک ملتی تھی۔ دس دن برابر یہ سلسلہ چلتا تھا۔ اس دس روزہ مجلس کے علاوہ کم از کم ایک دن تو اس طرح کی مجلس اکثر گھروں میں ہی ہوا کرتی تھی۔ خود ہمارے گھر میں بھی یہ مجلس ۹، اور ۱۰، کی درمیانی شب (یعنی شبِ شہادت) میں ہوتی تھی۔

### ہمارے گھر کی مجلس:

والد ماجد مرحوم تعزیہ داری کے سلسلے کی چیزوں میں تو شرکت نہیں کرتے تھے بلکہ ایک حد تک اسے صحیح بھی نہیں سمجھتے تھے۔ مگر ۹/محرم کو شب کی مجلس بڑے اہتمام سے کراتے تھے۔ جیسے کہ ۱۱/ یا ۱۲/ ربیع الاوّل کو مجلسِ میلا د شریف اہتمام سے ہوتی تھی۔ میلا د میں تو مٹھائی (جلیبی یا لڈّو) گھر ہی پر حلوائی بلوا کر بنوائی جاتی تھی۔ بازار سے اس موقع کے لیے مٹھائی



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



خریدنا والد ماجد پسند نہیں فرماتے تھے۔ اور مجلسِ شہادت کے لیے ایک بکرا خود خرید کرلاتے تھے اور اس کا پلاؤ پکوایا جاتا تھا جو اہلِ مجلس میں تبرّکاً تقسیم ہوتا۔ اس ضمن میں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ ہمارے یہاں بکرے کے گوشت کا رواج شادیوں تک میں بھی نہ تھا، عام طور سے گائے کا گوشت ہی استعمال ہوتا تھا لیکن مجلسِ شہادت کے لیے ہمارے گھر یہ خصوصی اہتمام برتا جاتا تھا۔ ایامِ عزا کی یہ مجلسیں ہمارے حقیقی ماموں حافظ سعید احمد مرحوم (اپنی پارٹی کے ساتھ) پڑھا کرتے تھے۔ ان مجلسوں کا ایک شعر اب تک یوں یاد ہے کہ

خدا کے نور سے پیدا ہوئے یہ پنجتن
محمد و علی و فاطمہ و حسین و حسن

**کچھ اپنا رونا رُلانا:**

جیسا کہ اوپر عرض کرآیا ہوں، مجھے ۶، ۷ سال کی عمر میں پورا شعور آ گیا تھا، مجلسوں میں جو کچھ سنتا تھا اسے سمجھتا تھا۔ واقعۂ شہادت کو سن کر خوب رویا کرتا تھا بلکہ اتنی دلچسپی اس واقعہ سے ہوگئی تھی کہ عشرۂ محرم کے علاوہ بھی جو اِس دلچسپی کا خاص موسم ہوتا ہے، میں نانا کے گھر جاتا اور جس کتاب سے ماموں صاحب شہادت کے واقعات پڑھا کرتے تھے اس کتاب کو لے کر پڑھتا اور روتا جاتا تھا۔ یہ بات ۹/۱۰ سال کی عمر کی ہے۔

جہاں تک یاد کرتا ہوں میرا حال یہ تھا کہ حضرت ابوبکر، وحضرت عمر وغیرہ اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ دنیا کی اور اسلام کی سب سے بڑی شخصیت بس حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو سمجھتا تھا اور سب سے بڑا خبیث یزید کو جانتا تھا۔ اس سلسلے کا ایک لطیفہ بھی ہے۔ غالباً عمر کا آٹھواں سال تھا جبکہ میں قرآن مجید ناظرہ پڑھ رہا تھا، پندرہویں پارہ میں سورۂ بنی اسرائیل کی جب وہ آیت آئی جس میں **وَ لَا یَزِیْدُ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا خَسَارًا** آتا ہے تو میں نے دل میں سوچا کہ اُفّوہ! یزید ایسا خبیث تھا کہ اللہ میاں نے اس کو ظالمین ......یعنی بہت بڑا ظالم...... کہا ہے۔ یہ بھی یاد ہے کہ اس پر دل میں شبہ پیدا ہوا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ تو بہت بعد کا ہے، قرآن مجید میں اس کا ذکر کیسے آ گیا؟ اور پھر اس کا جواب بھی دل میں یہ آ گیا کہ اللہ میاں تو سب کچھ جانتے ہیں، انہیں خبر تھی کہ یزید اتنا بڑا ظالم ہوگا اس لیے انہوں نے مسلمانوں کو پہلے ہی سے خبردار کردیا۔

**تبدیلی کا آغاز:**

میرے ایک قریبی رشتے کے نانا حضرت مولانا کریم بخش صاحب سنبھلیؒ تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ کے ممتاز تلامذہ میں سے تھے اور صاحبِ درس تھے۔ میری عمر جب ۱۴۔۱۵ سال ہوئی تو تعلیم کے سلسلے میں مجھے ان کے سپرد کردیا گیا اور پھر



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



تین سال تک جہاں وہ اپنی تدریسی ذمہ داری کے سلسلے میں رہے میں ان کے ساتھ ہی رہا۔ یہ پہلی صحبت تھی جس کی بدولت مجھے دین کی کچھ سمجھ آئی اور جو باتیں ماحول کے اثر سے خوامخواہ دین بن کر ذہن میں جم گئی تھیں ان کی حقیقت مجھ پر ظاہر ہوئی۔ اس کے بعد تعلیم کی تکمیل کے لیے دوسال دارالعلوم دیوبند میں رہنا نصیب ہوا۔ الحمدللہ کہ میری تعلیم کے اس پانچ سالہ دور میں والد ماجد کے خیالات میں بہت کافی تبدیلی آ گئی۔ اب ہمارے گھر میں رسمی مجلسِ میلاد کی جگہ بیانِ سیرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس ہوتی تھی اور عاشورہ کی مجلس میں شہادت ناموں کے بجائے ہمارے بڑے بھائی مولوی محمد حسن صاحب مرحوم تاریخ ابنِ خلدون (۱) کے اردو ترجمہ سے واقعۂ کربلا کا بیان پڑھتے اور میں کچھ زبانی بیان کیا کرتا تھا...... لیکن واقعہ کے سلسلے میں تصور وہی تھا جو سنی سنائی باتوں سے قائم ہو گیا تھا۔ کبھی خود براہِ راست تاریخی کتابوں کا مطالعہ کرکے یہ جاننے کی کوشش نہیں کی تھی کہ قصے کی واقعی حقیقت کیا تھی۔

(۱) حاشیہ: میری یادداشت کے مطابق مترجم الہ آباد کے کوئی صاحب تھ۔ اور انہوں نے لکھا تھا کہ اس واقعے (واقعۂ کربلا) کے بیان میں اصل کتاب (تاریخ ابن خلدون) کے اندر کچھ نہ تھا بلکہ چند صفحات خالی چھوٹے ہوئے تھے اور ترجمے میں واقعے کا بیان جو بہت طویل تھا، مترجم نے دوسری کتابوں کی مدد سے از خود لکھا ہے۔ اب مولوی عتیق الرحمٰن نے اصل کتاب دیکھ کر بتایا ہے کہ ابن خلدون نے ۶ صفحات خالی چھوڑے تھے جن کی کمی کو مترجم نے ۶۵ صفحے لکھ کر پورا کیا ہے اور مترجم کا نام حکیم احمد حسین الہٰ آبادی (مرحوم) ہے۔

## شہرتِ عام کی تاثیر:

۱۳۵۳ھ (۱۹۳۴ء) میں بریلی میں قیام اختیار کرکے ''الفرقان'' جاری کیا۔ الفرقان کے ربیع الاوّل کے شمارہ میں اکثر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کچھ لکھا جاتا اور اس کے لیے میں سیرت اور احادیث کی کتابوں کا مطالعہ کیا کرتا تھا۔ لیکن واقعۂ کربلا کے سلسلے میں جہاں تک یاد ہے میرا سب سے بڑا ماخذ بس مولانا (ابوالکلام) آزاد کا مضمون ''شہیدِ کربلا'' تھا جو الہلال کے فائل میں میرے پاس موجود تھا۔ اس سے زیادہ تاریخی مطالعہ کی ضرورت کبھی محسوس نہیں کی۔ یا یوں کہیے کہ شہرت عام کے اثر سے جو ذہن اس مسئلہ میں بن گیا تھا اس نے یہ ضرورت محسوس ہی نہ ہونے دی اور واقعہ یہ ہے کہ شہرت عام ایسی ہی طاقت ور چیز ہے خواہ وہ کسی کے حق میں ہو یا کسی کے خلاف۔

اس کی ایک بہت قریبی مثال شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی (متوفّٰی ۱۲۰۶ھ) اور ان کی جماعت کے بارے میں بہت سے نہایت قابل احترام اکابر علماء حق کا رویّہ ہے۔ ان میں سرفہرست ہیں، مکّہ مکرّمہ کے مشہور عالم ومحدث اور محقق شیخ احمد زینی دحلانؒ...... نیز خود ہمارے اکابر میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ...... شرک وبدعت کے خلاف شیخ محمد ابن



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



عبدالوہاب کے بے لاگ موحّدانہ جہاد نے (نیز سیاسی میدان میں آل سعود کے لیے ان کی حمایت نے) مخالفانہ پروپیگنڈہ کا وہ طوفان اٹھایا کہ ہر بری سے بری بات ان کے حق میں لائق یقین بن گئی......اس کی تفصیل کے لیے اس عاجز کی کتاب ''شیخ محمد ابن عبدالوہاب کے خلاف پروپیگنڈہ اور علماءِ حق پر اس کے اثرات'' دیکھی جاسکتی ہے۔اس کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ شیخ احمد زینی دحلانؒ نے اپنی کتاب ''خلاصۃ الکلام'' اور الدرر السّنیہ فی رد الوہابیۃ'' میں ان کی طرف ایسی باتیں منسوب کی ہیں جن کی بنیاد پر ان کو یہود ونصاریٰ وغیرہ کافروں سے بھی بدتر درجہ کا کافر قرار دینا صحیح اور برحق ہوگا۔اور اسی طرح کی باتیں ہمارے حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے رسالہ ''رجوم المذنبین'' میں تحریر فرمائی تھیں لیکن بعد میں حضرت مدنیؒ نے ایک اخباری بیان کے ذریعہ اعتراف فرمایا کہ انہوں نے ''رجوم المذنبین'' میں جو کچھ اس سلسلے میں لکھا تھا وہ عام شہرت ہی کی بنیاد پر لکھا تھا۔

### الفرقان ۱۳۷۳ھ کا مضمون:

الغرض واقعہ کربلا کے سلسلے میں اپنا وہی پرانا ذہن چلتا رہا جو اس عام اور روایتی تصور سے بہت زیادہ مختلف نہیں تھا جس کا کچھ ذکر اوپر کی سطروں میں آیا ہے حتیٰ کہ شوال یا ذیقعدہ ۱۳۷۳ھ کی بات ہے کہ میں کسی لمبے سفر پر جانے کی تیاری کر رہا تھا جبکہ اُجّین (مدھیہ پردیش) کے ایک صاحب کا خط آیا جو الفرقان کے بہت قدردان تھے،انہوں نے لکھا تھا کہ محرم کا مہینہ آنے والا ہے، اس میں اُلٹے سیدھے شہادت نامے پڑھے جاتے ہیں اور غلط سلط روایتیں دہرائی جاتی ہیں۔جی چاہتا ہے الفرقان میں اس موضوع پر کوئی مستند قسم کا مضمون آجائے اور ہم کوشش کریں کہ ہمارے یہاں مجلسوں میں وہی پڑھا جانے لگے۔میں یہ ذمّہ داری مولوی عتیق الرحمٰن کے سپرد کر کے اپنے سفر پر روانہ ہوگیا تھا،مولوی عتیق الرحمٰن نے ''واقعہ کربلا'' کے عنوان سے یہ مضمون لکھا اور ذی الحجہ ۱۳۷۳ھ کے الفرقان میں شائع ہوگیا، میں سفر سے واپس آیا اور یہ مضمون پڑھا تو اس کی دو باتوں کی وجہ سے تن بدن میں آگ ہی تو لگ گئی، غصے سے میرا دماغ کھول اٹھا۔ان باتوں میں سے ایک یہ تھی کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے اقدامات کے لیے بغاوت کا لفظ اس مضمون میں استعمال کیا گیا تھا۔دوسری بات مضمون کا یہ بیان تھا کہ جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کوفے کے قریب پہنچ کر اس حقیقت سے آگاہ ہوئے کہ کوفے والے غداری کر گئے ہیں اور پھر یزیدی لشکر کے پہنچ جانے سے آپ کے لیے واپسی کا راستہ بھی نہ رہا تو یزیدی سالار عمرو بن سعد کے سامنے آپ نے تین شکلیں رکھی تھیں کہ ان میں سے کسی کو قبول کرلیا جائے جن میں سے ایک یہ تھی کہ

''انہیں یزید کے پاس جانے دیا جائے تا کہ وہ براہِ راست اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دیں۔''

میں یزید کو جتنا بڑا ظالم خبیث اور نا ہنجار ساری عمر سے جانتا آ رہا تھا اس کی بنا پر میرے نزدیک یہ ناممکن بات تھی کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ ایسی پیش کش فرمائیں، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لیے یہ بات سوچنی بھی میرے لیے محال



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



تھی۔ میں غصہ میں اٹھا اور مولوی عتیق کے گھر کی طرف کو روانہ ہوا تا کہ ان سے باز پرس کروں کہ یہ کیا لکھ دیا ہے؟

سو قدم کے قریب چلا ہوں گا کہ لفظ بغاوت کے بارے میں یہ بات ذہن میں آئی کہ بغاوت ہر جگہ تو معیوب نہیں ہے، بلکہ اگر ایک ظالمانہ اور کافرانہ نظام کے خلاف ہو تو ایک طرح کا جہاد ہے...... آخر ۱۸۵۷ء میں ہمارے بزرگوں نے انگریزوں کے خلاف جو کچھ کیا تھا وہ بغاوت ہی تو تھی جس پر ہم آج بھی فخر کرتے ہیں...... البتہ یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دینے والی بات ویسی ہی نا قابلِ قبول بنی رہی، میں اسی حال میں مولوی عتیق کے گھر پہنچا اور بڑے غصے کے ساتھ ان سے پوچھا کہ تم نے یہ بات کیسے اور کہاں سے لکھ دی؟ مولوی عتیق کے پاس اس طرح کے غصے کے کچھ خطوط پہلے ہی آ چکے تھے اور وہ اس سلسلے میں ایک دوسرے مضمون کی تیاری کر چکے تھے۔ اس کے لیے انہوں نے تاریخ کی متعدد کتابوں سے عبارتیں اور حوالے نقل کر کے رکھے ہوئے تھے انہیں دیکھ کر مجھے بھی ماننا پڑ گیا کہ پھر تو غلط نہیں لکھا ہے۔

**یہ کتاب:**

اس واقعے پر تقریباً تیس سال گزر گئے تھے کہ آج سے ۷۔۸ سال پہلے جب میری کتاب ''ایرانی انقلاب، امام خمینی اور شیعیت'' شائع ہوئی تو بعض مخلص دوستوں نے توجہ دلائی کہ جس مقصد سے یہ کتاب لکھی ہے، اسی مقصد کی خدمت کے لیے یہ بھی مفید ہوگا کہ مولوی عتیق الرحمٰن صاحب کا ''مضمون واقعۂ کربلا'' اور اس کے بعد کا وضاحتی بیان بابت محرم ۱۳۴۷ھ بھی کتابی شکل میں شائع کر دیا جائے۔ میں نے اس رائے کو پسند کیا اور ۱۹۸۷ء میں جب مولوی عتیق الرحمٰن کا (لندن سے) ہندوستان آنا ہوا تو میں نے ان سے کہا کہ وہ پرانی فائل سے اپنے وہ دونوں مضمون نکلوا کر ایک نظر ڈال لیں اور کتب خانہ الفرقان کے حوالے کر دیں۔ مگر ان کی رائے یہ ہوئی کہ اس مسئلہ پر تو اب بالکل از سرِ نو لکھا جانا چاہیے۔

یہ کتاب جو اس وقت آپ کے ہاتھ میں ہے اس کی اساس تو وہی ۱۳۷۳ھ اور ۱۳۷۴ھ کے مضامین ہیں لیکن عزیز مصنف نے اس پر نظر ثانی میں جو نئی محنت کی ہے اس نے اسے ایک بالکل نئی چیز بنا دیا ہے۔ کتاب کے مشتملات میں سے مجھے خاص طور پر اس کے آخری باب میں آنے والے شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ کے اقتباس کی بابت یہ عرض کرنا ہے کہ اس اقتباس نے خود مجھے بڑا اہم فائدہ پہنچایا ہے۔ حضرت مسلم بن عقیلؓ کی شہادت کی خبر پانے پر واپسی کے ارادے کے بعد بھی صرف بعض برادرانِ مسلم بن عقیلؓ کی دلداری میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سفر جاری رکھنے پر مجھے ایک خلش تھی۔ اللہ تعالیٰ شیخ الاسلام کو اور اس کتاب کے عزیز مصنف کو جزائے خیر دے کہ شیخ الاسلام کے اس اقتباس میں اس خلش کے رفع ہونے کا سامان مل گیا۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو اپنے بندوں کے لیے نافع بنائے اور اگر اس میں کوئی غلط بات آ گئی ہو تو اس کے اثر سے بندوں کی حفاظت فرمائے نیز عزیز مصنف کو اس سے رجوع کی توفیق بخشے۔

واللّٰہُ یَقُوْلُ الْحَقَّ وَ ھُوَ یَھْدِی السَّبِیل.



© rasailojaraid.com